شعیب احمد

# اسلام کا فلسفہ خوف و رجا

ایک مسافر کو اگر پتہ چل جائے کہ وہ جس گاڑی پہ سوار ہے اس میں ایک بم رکھا ہوا ہے جو کسی بھی لمحہ پھٹ جائے گا تو وہ مسافر یقیناً اس بس سے فوراً اتر جائے اور اگر اس میں انسانی ہمدردی اور خیر خواہی کی تڑپ ہوئی تو دوسروں کو بھی متنبہ کردے گا۔ لوگوں کے ایک ہجوم میں آپ آواز لگا دیں کہ ایک خونخوار شیر اسی جانب بھاگے آرہا ہے تو چند لمحوں میں وہ ہجوم کا بادل چھٹ جائے گا۔ ایک بچہ استاذ کی مار اور ڈانٹ ڈپٹ کے خوف سے سبق یاد کرلیتا ہے۔ آخر ایک کیوں ہوتا ہے؟

اسی طرح ایک سرمایہ دار نفع کی امید میں اپنی بے بہا رقم تجارتی امور پر کھپا دیتا ہے اور ایک طالب علم انعام، وظیفہ کے حصول کیلئے کلاس میں ٹاپ کی حیثیت یعنی فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے آخر کیوں؟

دراصل یہ انسانی فطرت (Nature) ہے کہ انسان جس چیز سے خطرہ محسوس کرے اس سے خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اور جس چیز سے نفع کی امید ہو اسے حاصل کرنے کی فکر اسے دامن گیر ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر اسلام نے اسی فطرت انسانی کا لحاظ رکھتے ہوئے جہنم کا خوف اور جنت کی امید دلائی ہے تو اس پر آج کے بے خدا اور ملحد ماہرین نفسیات کے اعتراضات کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ خوف سے خود اعتمادی (Confidence) میں کمی واقع ہوتی ہے اور اس سے ایک انسان کی صحت بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور کسی چیز (جنت) کا لالچ انسان کو حریص لالچی اور خود غرض بناتا ہے حالانکہ یہ بات صرف اس وقت کہی جا سکتی تھی جبکہ صرف خوف ہی خوف ہوتا یا صرف امید ہی امید ہوتی اور پھر دوسری طرف یہی ماہرین نفسیات ہیں جو ایک طالب علم کی تعلیمی کارکردگی بہتر بنانے کیلئے انہی دو امور کی سفارش کرتے نظر آتے ہیں۔

لیکن اس سے بھی بڑھ کر افسوسناک بات یہ ہے کہ اکثر صوفیاء کرام بھی اس نظریہ کے حامل نظر آتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ آپ اللہ کی عبادت و ریاضت جنت کے لالچ میں نہیں بلکہ عشق خدا کا تقاضا اور حصول لذت کا ذریعہ سمجھ کر کریں۔ آپ جہنم کے خوف سے خود کو برائیوں سے نہ بچائیں بلکہ اسی عشق خدا کا تقاضا ہے کہ اپنے محبوب سے وصال کیلئے جو چیزیں رکاوٹ ہیں ان سے پرہیز کیا جائے

لیکن حقیقت کی آنکھ سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جنت وجہنم کے لالچ وخوف سے قطع نظر ان صوفیا کے تصوف کے پس منظر میں بھی ایک لالچ و خوف ہی کی نفسیات کارفرما ہوتی ہیں۔ وصال یار کے شوق میں یہ عشق ومحبت ایک لالچ ہی تو ہے اور ان صوفیاء کا برائیوں سے اجتناب اسی خطرہ وخوف کے تحت ہوتا ہے کہ کہیں وصال یار سے محروم نہ ہو جائیں گویا ان کے عشق کا محرک بھی لالچ وخوف ہی ہے۔

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صوفیاء کرام کے ایسے ہی عقائد ونظریات نے امت کی ایک کثیر تعداد کو بے عملی کی راہ پر لگا دیا ہے۔ وہ عشق ومحبت کے دعوے تو کرتے نظر آئیں گے مگر اس عشق ومحبت کے تقاضوں سے کوسوں دور۔ وہ عشق کے نام پر جان قربان کرنے کو تو ملیں گے مگر خواہشات نفس کو قربان کرنے کیلئے تیار نہ ہونگے وہ اس دعویٰ عشق کے نعرے تو لگاتے نظر آئیں گے مگر ان نعروں کی گونج میں محبوب کے احکام کا ان کی سماعت پر کچھ اثر نہ ہوگا۔

ان صوفیاء کرام کا یہ خود ساختہ نظریہ سراسر قرآنی تعلیمات کے منافی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے مومنوں کے قیام اللیل کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ:

تتجافی جنوبهم عن المضاجع
یدعون ربهم خوفا وطمعا

یعنی ان کے پہلو بستروں سے الگ ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کا خوف رکھتے ہوئے اور اس کی رحمتوں کی طمع رکھتے ہوئے۔ (سورۃ الم السجدہ)

اسی طرح سورۃ الانبیاء میں چند انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:

یدعوننا رغبا ورهبا ۔ وہ ہماری رحمتوں کی رغبت رکھتے ہوئے اور ہمارے عذاب سے ڈرتے ہوئے ہمیں پکارتے رہیں۔ اور سورۃ الزمر میں ارشاد ہوتا ہے: امن هو قانت آناء اللیل ساجدا و قائمایحذر الآخرة ویرجون رحمة ربه ۔ کیا وہ انسان جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ وقیام کرتے ہوئے فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ آخرت کے بارے ڈرتا بھی ہے اور اپنے رب کی رحمتوں کی امید بھی رکھتا ہے کیا یہ انسان اور وہ جس میں یہ صفات نہیں دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اس ترغیب وترہیب اور خوف ورجا کو ایک اور انداز میں قرآن مجید میں یکجا کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے پیشتر مقامات پر یہ اسلوب اپنایا گیا ہے کہ جہاں جنت کا ذکر ہو وہاں ساتھ ہی جہنم کا بھی ذکر ہے۔ جہاں اہل جنت کے آرام و آرائش اور نعمتوں، اور نعمتوں سے لطف اندوزی کا ذکر ہے وہاں ساتھ ہی اہل جہنم کی تکالیف ومصائب اور عذاب سے دوچار ہونے کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے رسول کائنات ﷺ کو بشیر ونذیر کے لقب سے ملقب

کیا گیا ہے۔ قرآن میں جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہے وہاں اس کے معابعد اس اللہ تعالیٰ کی لعنت وعقوبت کا ذکر بھی ہوگا۔ سورۃ البروج میں: ان بطش ربک لشدید۔ فرما کر اگر اپنی پکڑ اور مواخذہ سے ڈرایا ہے تو، وھو الغفور الودود فرما کر اپنی رحمتوں اور بخششوں کی امید بھی دلائی ہے۔ سورۃ المومن کے آغاز میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں۔ غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول۔ وہ اللہ گناہوں پر پردہ ڈالنے والے توبہ قبول کرنیوالے سخت پکڑنے والے اور بڑی قوتوں کے مالک ہیں۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں جب ایک اچھا بھلا انسان شراب کا رسیا ہو جاتا ہے اور شیطانی جال میں آ کر گناہوں کی دلدل میں پھنس جاتا ہے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اسی کے نام ایک مکتوب روانہ کرتے ہیں اور آغاز میں یہی مذکورہ بالا آیات لکھ دیتے ہیں۔ جسے پڑھ کر اس شرابی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی ہیں اور پھر خود ہی وہ یوں گویا ہوا کہ میرا رب کس قدر عظیم ہے۔ جو اپنے عذاب سے مجھے ڈراتا بھی ہے مگر گناہوں کی بخشش کی امید بھی دلاتا ہے۔ آیت میں مذکور ترغیب وترہیب پہلو سے متاثر ہو کر وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے۔ ترغیب وترہیب اور خوف ورجا کی اس اہمیت کے پیش نظر محدثین کے یہاں الایمان بین الخوف والرجا کا جملہ مشہور عام ہے۔ یعنی خوف ورجا دونوں ایک مومن کے تمام اعمال وافعال کو کنٹرول کرتے ہیں۔

لیکن ذرا یہ بات بھی تصور میں لایئے کہ اگر صرف خوف ہی خوف ہوتا تو انسان پر مایوسی اور پژمردگی ہی چھائے رہتی اور اگر صرف رحمت ہی رحمت ہوتی تو انسان اللہ کی نافرمانی بڑی دلیری اور جرات سے کرتا رہتا۔ وہ انسان کس قدر احمق ہے جو اس کی رحمتوں کو یاد کرتے ہوئے گناہ پہ گناہ کئے جا رہا ہے۔ مگر اس اللہ کی لعنت و عقوبت کو یاد کر کے گناہوں کی زندگی سے باز نہیں آتا۔ لوگ قرآن مجید کی آیت لاتقنطوا من رحمة الله کا سہارا لیکر شیطانی فریب میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ اسی آیت کے متصل بعد اللہ فرماتے ہیں۔ وانیبوا الی ربکم واسلموا له من قبل ان یاتیکم العذاب ثم لا تنصرون۔ واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتة وانتم لا تشعرون (یعنی اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور قبل اس کے تم پر عذاب آئے اس کے مطیع بندے بن جاؤ، عذاب آنے پر پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی اور تمہارے رب کی جانب سے جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔ اس میں احسن کی اتباع کرو قبل اس کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

یہ آیات ہمیں متنبہ کر رہی ہیں کہ محض امید رحمت میں گناہ نہ کرتے رہنا اسلئے کہ ہو سکتا ہے کہ تم پر اچانک عذاب خداوندی آ جائے خواہ وہ موت کی صورت میں ہی ہو کہ اچانک موت آئے اور توبہ کی مہلت بھی نہ مل سکے۔

## خوف خدا کے انسانی زندگی پر اثرات :

خوف ورجا انسانی نفسیات پر بہت گہرا اثر ڈالتے ہیں اس حقیقت سے انکار ایک ہٹ دھرم انسان ہی کر سکتا ہے نہ کہ حقیقت پسند انسان، دنیا میں انسان جس چیز سے خوف کھائے اس سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اللہ سے خوف انسان کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے۔ اللہ سے خوف اس سے بھاگنا نہیں بلکہ اس کے دامن میں پناہ لینا ہے اور اس کی رحمت کی آغوش میں جگہ پانا ہے۔

بہت سے ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی اصلاح کیلئے سب سے موثر خوف کی ہی نفسیات ہے اور پھر یہ خوف جب رب ذوالجلال کا ہو تو اس کی تاثیر میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جنت کے مقابلہ میں جہنم کا ذکر نسبتاً زیادہ ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر دلوں میں خوف خدا جگہ بنا لے تو پھر انسان ہر نیکی کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور ہر برائی سے خود کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اللہ کا خوف انسان سے اس کی انانیت چھین لیتا ہے پھر اس کی سوچ اور فکر خدائی سوچ و پسند کے تابع ہو جاتی ہے اور وہ اپنے دل کی خواہشات کیلئے دل کو ہی مدفن بنا دیتا ہے۔ پھر اس کی زبان کان ہاتھ اور پاؤں اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے بلکہ حکم خدا کی پابندی کے دائرہ میں رہ کر ہی اپنا کام کرتے ہیں اس خوف خدا میں اتنی قوت ہے کہ ایک معاشرے کے اگر تمام انسانوں کے دلوں میں یہ گھر کر جائے تو معاشرہ سے تمام جرائم کا خاتمہ یقینی ہو جاتا ہے۔

آج کے بے خدا اور الحاد پسند سیکولر معاشروں کے اندر جرائم کی روک تھام کیلئے اخلاقیات کا سہارا لیا جاتا ہے یا پھر قانون کی سختیوں اور سزاؤں کا مگر بند کوٹھڑی کے اندر جرم کا ارتکاب کرنے والا انسان جس تک قانون کی رسائی نہیں ہو سکتی جس تک انسان تو کیا چرند پرند کی آنکھ بھی نہ پہنچ رہی ہو۔ اسے برائی سے ہٹانے والی طاقت کیا ہو سکتی ہے؟ وہ طاقت صرف اور صرف ایک اللہ کا خوف ہے جو انسان کو جلوتوں میں بھی اور خلوتوں میں بھی تنہائیوں میں بھی اور انسانوں کے ہجوم میں بھی غلط کاریوں اور بدمعاشیوں سے روک سکتا ہے۔

لیکن افسوس آج ہمارے دل اللہ کے خوف سے خالی ہو گئے، جبھی تو ہم اللہ کی بغاوت اور سرکشی پہ اتر آئے اور ہمارا معاشرہ جرائم کی آماجگاہ بن گیا لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے قلوب و اذہان خوف خدا کا مرکز کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم خود کو خوف خدا کی بساط میں لپیٹ سکیں؟ تو اس کیلئے اولاً ہمیں تلاوت قرآن باترجمہ پڑھنے کا عادی بننا ہوگا اس لئے کہ جب ہمارے سامنے جہنم کے مناظر آئیں گے۔ جہنمیوں کی چیخ وپکار اور آہ و بکا ہمیں سنائی دے گی تو یقیناً اللہ کا خوف ہم میں گھر کر لے گا۔ جب ہمیں سابقہ اقوام پر آنے والے عذاب معلوم ہونگے اور اسی طرح قیامت کی ہولناکیاں قیامت کا زلزلہ ہمیں قرآن پڑھتے محسوس ہوگا تو یقیناً اللہ کا خوف ہم پر مسلط ہوگا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیل رواں جاری ہو جائے گا جس سے سابقہ گناہ دھل کر رہ جائیں گے اور یہی آنسو آئندہ زندگی پر ہمیشہ کیلئے اپنا اثر قائم کر جائیں گے۔

# تقویٰ کے طلبگاروں کیلئے کتاب ہدایت

عبداللہ محمد سعید سنابلی

**ذلک الکتب لا ریب فیه هدی للمتقین○**

’’اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ پرہیزگاری کوراہ دکھانے والی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے حالات وظروف کے اعتبار سے ہر نبی کو کچھ نہ کچھ معجزے عطاء فرمائے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادوگری کا زور تھا‘ اس لئے اسی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا (لاٹھی جو زمین پر ڈالنے سے سانپ بن جاتی تھی) اور ید بیضاء (جب موسیٰ علیہ السلام اپنی ہتھیلی بغل میں دبا کر واپس نکالتے تو بغیر بیماری کے ہتھیلی چمکنے لگتی) کا معجزہ عطاء کیا۔ جس کے سامنے ساحرانِ فرعون گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے اور جب عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو طب اوجِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ لہٰذا اسی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی اجازت سے مردوں کو زندہ کرنے‘ مٹی کی چڑیوں کو زندگی عطا کرنے‘ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا عطا کرنے جیسے معجزوں سے نوازا تو اس دور کے اطباء حیران رہ گئے‘ نیز اسی طرح جب اللہ جل شانہ نے خاتم المرسلین جناب محمد ﷺ کو تاج نبوت پہنایا تو اس وقت عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا۔ حتیٰ کہ وہ غیر عرب کو عجمی (گونگا) کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسی کی مناسبت سے آپ ﷺ کو بہت سارے معجزات کے ساتھ قرآن کا معجزہ عطا فرمایا اور اسے فصاحت وبلاغت کا ایسا سرچشمہ بنا دیا کہ بڑے بڑے ماہر زبان داں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ اس جیسا کلام کوئی انسان نہیں پیش کر سکتا ہے‘ پس یہ ثابت ہو گیا کہ اس کتاب کے من اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں‘ لہٰذا اس پر ایمان و یقین رکھنا اور عمل پیرا ہونا ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ رہا ہے کہ اپنے معجزہ اور قدرت کے ذریعہ حق کو ثابت کرتا ہے۔ نیز رسولوں اور نبیوں کی رسالت وسچائی کو واضح کرتا ہے۔

سورۃ بقرہ کی اس ایت کی مزید وضاحت سے پہلے اس کے اندر موجود الفاظ کی شرح ووضاحت بہتر ہوگی۔

﴿**ذلک**﴾ یہ اسم اشارہ **ھذا** (یہ) کے معنی ہے اور ایسا کلام عرب میں مستعمل ہے اور خود قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی اس اسلوب بیان کو اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ﴿**ذلک الکتاب أی ھذا الکتاب**﴾ یعنی ﴿**ذالک الکتاب**﴾ (وہ کتاب) ﴿**ھذا الکتاب**﴾ (یہ کتاب) کے معنی میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر تفسیر سورۃ البقرہ)

﴿**الکتاب**﴾ حروف وکلمات کے مجموعے کا نام کتاب ہے اور یہ فرض‘ حکم اور قدر کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ یہاں پر کتاب سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کی مختلف آراء ہیں‘ لیکن صحیح قول کے مطابق یہاں کتاب سے مراد قرآن ہے‘ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کتاب کہا ہے۔

﴿**الم○ تنزیل الکتاب لا ریب فیه من رب العالمین**﴾ (السجدۃ ۱‘۲)

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿**والکتاب القرآن ومن قال إن المراد بذلک الکتاب الإشارۃ إلی التوراۃ والإنجیل کما حکاہ ابن جریر و غیرہ فقد أبعد النجعة وأغرق فی النزع وتکلف ما لا علم له**﴾ کتاب سے مراد قرآن ہے اور جس نے یہ کہا کہ ذلک الکتاب میں اشارہ تورات وانجیل کی طرف ہے‘ اس نے دور کی کوڑی پیش کی اور اختلاف میں ڈوب گیا اور ایسی چیز گھڑی جس کا اسے علم نہیں ہے۔

﴿**ریب**﴾ یہ تین معانی میں مستعمل ہے۔ شک‘ حاجت‘ تہمت (قرطبی ج ا تفسیر البقرۃ) اور یہاں پر یہ شک کے معنی میں قرآن کے اندر استعمال ہوا ہے۔ یہاں پر ارشاد کے معنی ہے۔

﴿**ھدایت**﴾ کے بھی دو معنی ہیں۔ توفیق دینا جو اللہ کے ساتھ خاص ہے اور ارشاد ورہنمائی کرنا جو عام ہے اور دونوں معنی میں ہے۔

﴿**اھدنا الصراط المستقیم**﴾ کے ضمن میں اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو گذر چکی ہے۔

﴿**متقین**﴾ یہ وقایہ سے مشتق ہے۔ بچاؤ اور ڈھال کے معنی میں۔ سوال یہ اٹھتا ہے کہ تقویٰ ہے کیا چیز جس کو اللہ تعالیٰ اس کے مشتقات کے ساتھ قرآن مجید کے اندر بار بار ذکر فرماتا ہے۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ ابی ﷺ کا قول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

﴿**سال عمر بن الخطاب ﷺ ابیا عن التقوی فقال هل أخذت طریقا ذا شوک؟ قال نعم قال فما عملت فیه؟ قال تشمرت وحذرت قال فذاک التقوی**﴾ (تفسیر قرطبی ج ا تفسیر سورۃ البقرۃ)

’’عمر بن الخطاب ﷺ نے ابی ﷺ سے تقویٰ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ کا گذر کسی خاردار راستے سے ہوا ہے۔ جو جواب دیا کہ ہاں‘ پھر سوال کیا کہ اس وقت آپ نے کیا کیا......؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے دامن سمیٹ لیا اور بچ بچا کر نکل گیا۔ ابی ﷺ نے فرمایا کہ یہی تقویٰ ہے۔

تقویٰ ہی کے سلسلے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کتاب الایمان کے اندر باب ﴿**قول النبی ا بنی الإسلام علی خمس**﴾ کے تحت ابن عمر ﷺ کا یہ قول ذکر کیا ہے: